سوار ہے۔ امرا جو قوم کو بہت کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں، غافل ہیں۔ علما جن کو قوم کی اصلاح میں بہت بڑا دخل ہے، زمانے کی ضرورتوں اور مصلحتوں سے ناواقف ہیں (ص ۴)۔

اس عالم یاس میں انھوں نے مسدس حالی کا آغاز اس قطعے سے کیا:

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے اسلام کا گر کر ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے جزر کے بعد دریا کا ہماؤ سے جو اترنا دیکھے

اور آخر میں بجناب سرور کائنات افضل الصلوت و اکمل التحیاتؐ یہ عرض حال سنائی [۲]

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

حالی نے تو نہایت ہی مودبانہ گزارش اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کی تھی۔ لیکن اقبال ضبط نہ کر سکے اور بقول شکیل بدایونی: حالی نے زباں سے کچھ نہ کہا، اقبال شکایت کر بیٹھے۔

علامہ اقبالؒ نے اپنا شکوہ بارگاہ خداوندی میں یوں پیش کیا [۳]

طعن اغیار ہے، رسوائی ہے، ناداری ہے
کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے؟

(ب) مسلم ممالک پر مغرب کے تسلط سے جہاں سیاسی طور پر مسلمان مغلوب ہوئے تھے وہاں اس کے ساتھ ساتھ تمام اسلامی اقدار بھی متاثر ہوئی تھیں۔ دور جدید کے تمام سیاسی اور معاشی نظریات: نیشنلزم، لبرلزم، سیکولرزم اور اشتراکیت جس سرعت سے تمام دنیا پر چھا رہے تھے، مسلمان بھی انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر ان کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے۔ مسلمانوں کی ثقافتی شخصیت غیر اسلامی اقدار کی نذر ہو گئی۔ اس طرح ایک نیا دور جاہلیت تمام دنیا پر مسلط ہو گیا۔

بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں، جب کہ اسلامی تحریک وجود میں نہیں آئی تھی، مسلم ممالک میں اسلامی ادارے قائم تھے اور علمائے کرام کے دلوں میں اسلامی احیا کا جذبہ موجود تھا، اور وہ اسلام کی سربلندی کی جدوجہد کی کوششیں بھی کر رہے تھے۔ ان لوگوں میں سرفہرست جمال الدین افغانیؒ (۱۸۳۸ـ۱۸۹۷) اور ان کے شاگرد علامہ محمد عبدہؒ، اور علامہ رشید رضاؒ کے نام آتے ہیں۔ سوڈان میں مہدی سوڈانیؒ کے پیرو احیائے اسلام کے کام میں سرگرم تھے۔ ان کے علاوہ نائیجیریا میں عثمان دان فودیو کی تحریک جو عارضی طور پر اسلامی حکومت قائم کرنے میں کامیاب بھی ہوئی، بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ تاہم ان تمام قابل قدر کوششوں کے باوجود اسلامی تہذیب اور ثقافت کا احیا چند مخصوص علاقوں میں مخصوص وقت کے لیے ہی ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ رہی کہ باوجود اس کے کہ ان لوگوں نے مغربی استعمار کے خلاف جہاد بھی کیا اور علوم اسلامی کی اشاعت میں سرگرمی بھی دکھائی اور تزکیہ و تربیت کا اہتمام بھی کیا لیکن وہ اسلام کو

ایک منظم نظام زندگی کی حیثیت سے پیش کرنے اور اس کے نفاذ کے لیے جدوجہد کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ شاید اس دور میں ان کے لیے اتنا کچھ کرنا ہی ممکن تھا۔

(ج) ان حالات کے پیش نظر بصیرت اور خداداد صلاحیتوں کے حامل علما نے اس بات کا تہیہ کیا کہ امت مسلمہ کو قعر گمنامی اور اس کی زبوں حالی سے نکالنے کے لیے اسلامی عقائد' اسلامی نظام اور اسلامی طرز زندگی کو از سرنو بحال کرنے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد سے مغرب سے آئے ہوئے علوم و فنون پر ناقدانہ محاکمہ پیش کیا جائے اور ان کو اسلامی نقطۂ نظر کا پابند بنایا جائے۔ ایک جدید علم کلام سے لوگوں کی سوچ و فکر میں انقلاب برپا کیا جائے۔ سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ اسلام کو محض ذاتی اور مخصی زندگی میں محدود نہ کر دیا جائے بلکہ اس کی اجتماعی زندگی سے متعلق تعلیمات کو دوبارہ معاشرے میں نافذ کرنے کے لیے جدوجہد کی جائے۔ خاص طور سے اسلام کا معاشی اور سیاسی نظام نکھار کر پیش کیا جائے۔ کیونکہ جب تک اسلام کا سیاسی رنگ غالب نہیں ہوتا اس وقت تک اسلام کو زندگی کے ہر شعبے میں نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ تو محض چند افراد کی متقیانہ زندگیاں اور ان کی اعلیٰ سیرتیں معاشرے میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہیں لا سکتیں۔ علامہ اقبالؒ نے بڑی حکیمانہ بات فرمائی ہے ؎

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

(د) پہلی جنگ عظیم میں ترکی کی شکست کے بعد خلافت اسلامیہ کا مسئلہ عالم اسلام کے لیے بڑی اہمیت کا حامل رہا۔ ہندستان میں تحریک خلافت چلی تاکہ اس اہم ادارے کو جو امت کی یک جہتی کی علامت رہا ہے' برقرار رکھا جا سکے۔ لیکن یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ کمال اتاترک نے ۱۹۲۴ میں خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ اس طرح جو رہا سہا نظم اجتماعیت باقی تھا' وہ بھی منتشر ہو گیا۔ اس کے ذہنی صدمے سے امت مسلمہ کے بہی خواہوں میں تہلکہ مچ گیا۔ ارباب فکر سوچنے لگے کہ اس نئی صورت حال کے پیش نظر امت کو کس طرح منظم کیا جائے' تاکہ وہ اپنے مقام اعلیٰ کو پا سکے اور دینی فریضے کو انجام دے سکے۔

(ہ) خلافت عثمانیہ کا ختم ہو جانا اور سیاسی اقتدار کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جانا' امت مسلمہ کے لیے بڑا زبردست المیہ تھا۔ مغربی قوتوں نے عالم اسلام پر بجز سعودی عرب اور افغانستان' پوری طرح اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ مسلمانوں نے نہ صرف سیاسی اقتدار کھو دیا بلکہ اس کے ساتھ وہ تمام ادارے جو صدیوں سے اسلامی حکومت نے قائم کیے تھے' مفقود ہو گئے۔ تعلیمی ادارے' درس گاہیں' شفاخانے' سرائے' رفاہ عامہ کے اوقاف' نظام عدالت' اسلامی قوانین' یہ تمام ہی دور غلامی میں یک لخت ختم ہو گئے اور حکومت کا ڈھانچا (infra structure) جو صدیوں سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں منظم ہوا تھا' بکھر گیا۔ اس کے بجائے مغرب سے درآمد نظام تعلیم' فوج داری قانون' قانون شہادت اور نظام عدالت مسلط کر دیا گیا۔ مغربی

نظام تعلیم جس کے تحت اسکول اور یونی ورسٹیاں قائم ہوئیں' ان میں مسلمانوں کی نئی پود کی تعلیم و تربیت ہوئی اور اس طرح وہ مغرب کے رنگ میں رنگ گئی۔ اس نے اپنی عافیت اس میں سمجھی کہ وہ مغرب سے در آمد افکار و اقدار کو اپنا کر "ترقی کی راہ" پر گامزن ہو جائے۔ چنانچہ زندگی کے تمام ہی شعبے مغربی اقدار کے زیر اثر آگئے۔ اسلام چند عبادات اور شخصی قانون (personal law) میں محدود ہو کر رہ گیا۔

۲۔ اخوان المسلمون اور جماعت اسلامی کی تاسیس

(الف) مختصراً یہ وہ حالات تھے جن میں حسن البنا شہیدؒ نے ۱۹۲۸ میں اخوان المسلمون کی بنیاد رکھی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ۱۹۳۲ میں ماہنامہ ترجمان القرآن کی اشاعت شروع کی جو بالآخر ۱۹۴۱ میں جماعت اسلامی کی تاسیس کا باعث بنی۔ یہ دو ہم عصر جید مفکرین اسلام دو مختلف ملکوں میں رہنے کے باوجود اس نتیجے پر پہنچے کہ اسلام کا احیا تحریک اسلامی کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اخوان اور جماعت دونوں ہی عالم اسلام اور باقی دنیا میں تحریک اسلامی کے پھیلانے اور اس کے فروغ کا باعث ہوئیں۔

(ب) تحریک اسلامی کا مفہوم: "تحریک" کا لفظ قرآن و حدیث میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ اس کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے جو الفاظ آئے ہیں وہ اقامت دین' شہدا علی الناس' امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہیں۔ اس دور میں اسلام کا اجتماعی نظام جو ذہنوں سے اوجھل ہو گیا تھا' اسے اجاگر کرنے کی ضرورت تھی' اس لیے "تحریک" کا لفظ استعمال کیا گیا تاکہ اس سے اسلام کا انقلابی تصور دین ذہنوں میں جاگزیں ہو جائے۔

اس موقع پر یہ مفید ہو گا کہ ہم اس کے مفہوم کو جو قائدین تحریک نے پیش کیا ہے خود ان کے الفاظ میں نقل کر دیں۔

"تحریک" کی تعریف

استاذ حسن البنا شہیدؒ : اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک ہمہ گیر اور کل جہتی کام کا آغاز کیا جائے تاکہ ایک مسلمان کو یاد دلا جائے کہ وہ مسلمان ہے اور اس میں اپنی سماجی اور اجتماعی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کا احساس پیدا ہو۔

اخوان ایک تحریک ہے جس کا مقصد قوم کی تعمیر نو ہے۔ اور یہ امت کے سامنے اپنے ہمہ گیر کام کا خاکہ پیش کرتی ہے اور اس کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہے (پروفیسر سعید حویٰ' The Muslim Brotheren' (اخوان المسلمون)' ص ۳۵۔۳۶' ۱۹۸۵)۔

مولانا مودودیؒ : تحریک اسلامی کا مقصد اس دنیا میں قیادت میں تبدیلی لانا ہے (ص ۷۰)۔ اسلام کے مقاصد اس وقت حاصل ہو سکتے ہیں' جب کہ معاشرے میں اقتدار ایمان والوں اور متقین کے ہاتھ میں ہو (

تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں' ص ۷۹)۔

خرم مراد: ایک منظم جدوجہد جس کا مقصد موجود معاشرے کو اسلامی معاشرہ' جو قرآن اور سنت پر مبنی ہو' میں تبدیل کرنا ہے۔ اسلام جو زندگی کے تمام شعبوں کے لیے ضابطہ و قانون فراہم کرتا ہے' خاص طور سے سماجی اور سیاسی شعبوں میں' اس کو فوقیت دینا اور اس کو غالب کرنا ہے۔

(Islamic Movement in The West: reflections on some issues)

مولانا خلیل حامدی: اسلامی تحریک سے مراد وہ کوشش ہے جو دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ کے دین کو زندگی کے ہر پہلو میں غالب کرنے کے لیے سرانجام دی جا رہی ہے۔ اسلامی تحریک کا تصور دین یہ ہے کہ اسلام پوری زندگی کا نظام ہے اور اس نظام کا مرکزی نکتہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا تصور ہے۔ اگر کسی معاشرے میں زندگی کے کسی شعبے میں خواہ وہ سیاسی ہو یا اقتصادی' معاشرتی ہو یا قانونی' تعلیمی ہو یا اخلاقی' اللہ کی حاکمیت کے بجائے کسی اور شخص یا نظریے یا گروہ کو مآخذ اختیارات تسلیم کیا گیا ہے' وہ جاہلی معاشرہ ہے۔ اسے بدلنے کی جدوجہد کرنا' اللہ کے دین کے علم برداروں کا فرض ہے (تحریک اسلامی کے عالمی اثرات' ص ۳)۔

ان تعریفوں کی رو سے تحریک اسلامی ایک عالم گیر تحریک ہے اور دنیا کے تمام ہی ممالک میں بیک وقت برپا کی جا سکتی ہے۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ تحریک ایک مخصوص نام کو اپنا لے بلکہ ہر ملک کے حالات کے مطابق وہاں وہ اپنے کام کا جائزہ لے اور مناسب حکمت عملی اختیار کر کے وہاں دعوتی کام سرانجام دے۔ چنانچہ عملاً ایسا ہوا بھی۔ برعظیم کے ممالک (پاکستان' بھارت' سری لنکا اور کشمیر) میں جماعت اسلامی کے نام ہی سے ہر ملک میں آزاد تنظیمیں قائم ہیں۔

مصر اور دیگر عرب ممالک میں' خصوصاً مصر اور شام میں' جہاں اخوان پر مصائب اور دور ظلم گزرا وہاں کے حالات کی وجہ سے وہ خفیہ اور زیر زمین (under ground) کام کر رہی ہے۔ صرف اردن میں اخوان' اپنے نام سے کام کر رہے ہیں اور ان کی پارلیمنٹ میں بھی نمایندگی ہے۔ خلیجی ریاستوں میں جمعیت الاصلاح اور جمعیت الارشاد' الجزائر میں اسلامی فرنٹ FIS (Front Islamique Salnt)' تیونس میں تحریک رجحان اسلامی اور بعد میں نہضتہ الاسلامی اور فلسطین میں تحریک مزاحمت اسلامی (حماس) کے نام سے کام ہو رہا ہے۔

ترکی میں رفاہ پارٹی (پابندی کے بعد فضیلت پارٹی) اور سوڈان میں قومی اسلامی فرنٹ (National Islamic Front) حکومتیں بنانے میں بھی کامیاب ہوئیں لیکن ترکی کا سیکولر طبقہ رفاہ پارٹی کو زیادہ عرصہ برداشت نہ کر سکا اور اسے غیر قانونی قرار دے دیا۔ انڈونیشیا میں پہلے ماشوجی پارٹی اور اب مجلس دعوت اسلامی کے نام سے کام ہو رہا ہے۔ ملائیشیا میں ABIM دعوت اسلامی کا کام کر رہی ہے۔

شمالی امریکہ میں اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (Islamic Society of North America) اور اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ (Islamic Circle of North America) کے نام سے تحریک کا کام ہو رہا ہے۔ برطانیہ میں اخوان اور جماعت سے متاثر کئی جماعتیں کام کر رہی ہیں۔ ان میں سب سے پرانی تنظیم، یو کے اسلامک مشن ہے۔ مشرقی پاکستان کے الگ ہو جانے کے بعد مشن سے وابستہ بنگالی اصحاب نے دعوت الاسلام کے نام سے کام کو منظم کیا۔ نوجوانوں میں کام کے لیے ینگ مسلم (Young Muslim) اور انگریزی داں طبقہ اور نومسلموں کے لیے اسلامک سوسائٹی آف برٹین (Islamic Society (ISB) of Britain) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اخوان سے متعلق جماعتیں مسلم اسٹوڈنٹس سوسائٹی (Muslim Students Society) اور رابطہ اسلامی ہیں۔ اسلامک فورم یورپ (Islamic Forum Europe) بھی دعوت اسلامی کے کام میں سرگرم عمل ہے۔ اس طرح دیگر یورپی ممالک میں بھی اخوان اور جماعت سے متعلق جماعتیں کام کر رہی ہیں۔

۳۔ تحریک اسلامی کے اثرات عالم اسلام میں

(الف) ذہنی تبدیلی: کوئی تحریک اس وقت تک کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتی جب تک وہ اپنے کارکنوں میں ذہنی انقلاب اور فکری ہم آہنگی نہ پیدا کرے۔ صدیوں کے جمود کے بعد یہ ضروری ہوا کہ سب سے پہلے ذہنی تبدیلی رونما ہو۔ چنانچہ تحریکی لٹریچر نے مسلمانوں کے سوچنے کے انداز اور فکر میں تبدیلی پیدا کی۔ شعوری طور پر مسلمانوں نے محسوس کیا کہ اسلام محض ایک مذہب نہیں ہے جو عبادات اور نجی زندگی تک محدود ہے، بلکہ یہ ایک مکمل نظام حیات ہے جس کا تعلق زندگی کے تمام شعبوں سے ہے۔ تحریکی لٹریچر نے سوچ و فکر کے دروازے وا کیے۔ ان میں مروجہ نظام ہائے زندگی، مثلاً سرمایہ داری، اشتراکیت، لبرلزم پر محققانہ تبصرے کیے، اور واضح کیا کہ اسلامی نظام حیات ان سب سے برتر ہے اور اس میں انسانیت کی فلاح ہے۔ یہ ایک علمی چیلنج تھا، جس نے عوام و خواص سب کے دلوں اور ذہنوں کو مسخر کر لیا۔

(ب) اسلام ایک نظام حیات: اس صدی کی ابتدائی چوتھائی کی اسلامی کتب کا مطالعہ کرنے سے یہ بات کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اور اس کو نافذ کرنا مسلمانوں کا فرض ہے، سامنے نہیں آتی۔ اگرچہ انیسویں صدی میں جمال الدین افغانی کی پین اسلامزم تحریک، اور اس صدی کے اوائل میں مولانا ابوالکلام آزاد کے الہلال کے مضامین، اور مولانا محمد علی جوہر کے ہمدرد اور کامریڈ کے مضامین میں ان افکار کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ بات عوام کے شعور پر کسی طرح بھی اثرانداز نہ ہو سکی تھی۔ یہ تحریک اسلامی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج جو بھی اسلام کی بات کرتا ہے وہ نظام حیات کا ذکر کرتا ہے حتیٰ کہ تحریک کے مخالفین "نظام مصطفیٰ" کا نعرہ لگانے کے لیے مجبور ہو گئے ہیں۔ مختلف ممالک کی برسراقتدار جماعتوں کو بھی اسلام کا لیبل لگائے بغیر پذیرائی حاصل نہیں ہوتی۔

اسلامی تحریک کی بدولت دین و دنیا کی تفریق کا تصور ختم ہوا۔ اگرچہ اب بھی مسلمانوں میں شکست خوردہ ذہنیت باقی ہے۔ تحریک نے یہ بات بھی ذہن نشین کرائی ہے کہ جب تک اسلامی نظام قائم نہیں ہوتا' دین کے تمام تقاضے پورے نہیں کیے جا سکتے۔ چنانچہ اس نظام کے قیام کے لیے جدوجہد تمام مسلمانوں کا فرض ہے۔

(ج) دعوت و تبلیغ: تحریک کے مقاصد میں سب سے زیادہ اہمیت اس بات کو حاصل رہی ہے کہ اسلام کی دعوت ملک کے گوشے گوشے میں پہنچ جائے۔ دعوت و تبلیغ کا یہ سلسلہ صرف لٹریچر کی اشاعت تک محدود نہ رہا بلکہ ہر شہر اور قریے میں انفرادی ملاقاتیں' ہفتہ وار اجتماعات اور تربیتی پروگراموں کا ایک ہمہ گیر سلسلہ (new work) شروع کیا گیا تاکہ دین کی دعوت موثرانداز میں پیش کی جائے' لوگوں میں اسلام سے وابستگی پیدا ہو' ان کی زندگیوں میں اسلامی اقدار کا نفوذ ہو اور اس سے ان میں خوش گوار تبدیلی رونما ہو۔ دعوت و تبلیغ کے لیے ہر طریقہ جو موثر ہو' وہ استعمال کیا گیا۔ کتاب' وڈیو' اخبارات و رسائل' پریس کانفرنس' جلسہ اور جلوس' جو بھی جس مقصد کے لیے مفید و مناسب خیال کیا' تحریک کے قائدین نے ان کو استعمال کیا۔

(د) جذبہ جہاد اور قربانی: تحریک محض تبدیلی افکار تک محدود نہ رہی بلکہ اس کا ہمیشہ یہ تقاضا رہا کہ اس راہ میں عملی جدوجہد کی جائے۔ جہاں دعوتی کام تبلیغ و تلقین کی صورت میں عوام کی اصلاح کے لیے کیا گیا' وہاں اجتماعی جدوجہد اور اس کے لیے قربانیاں پیش کرنا بھی عین تقاضاے دین بن کر سامنے آیا۔ تحریک نے اپنے کارکنوں میں جذبۂ قربانی اور جہاد کو فروغ دیا۔ عملی جدوجہد' چاہے وہ مظاہرے ہوں یا الیکشن' یہ سب دعوت دینے کے لیے ضروری قرار پائے۔ تحریک سے متاثر افراد نے نہ صرف مالی قربانی اور اپنے اوقات کی قربانی پیش کی' بلکہ تحریک کے نوجوانوں نے عملاً فلسطین' افغانستان' کشمیر' بوسنیا' چیچنیا اور دیگر محاذوں پر جہاد میں شرکت کی' اور بڑی بہادری سے اس میں حصہ لیا اور جام شہادت نوش فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول کرے اور مقام اعلیٰ عطا فرمائے (آمین)۔

(ہ) نوجوان نسل کا اسلام سے تعلق: یوں تو تحریک سے مسلمان عوام و خواص سب ہی متاثر ہوئے ہیں اور اس کا نفوذ معاشرے کے ہر طبقے میں ہوا ہے لیکن نوجوانوں کی اسلام سے گہری وابستگی ایک خوش آیند تبدیلی ہے۔ اوپر ان کے جذبۂ جہاد اور قربانی کا ذکر ہو چکا ہے۔ تحریک سے متاثر طلبہ نے تعلیم گاہوں میں اسلامی لباس اور طرز معاشرت کو رائج کرنے اور طلبہ کو اسلامی نظام سے متعارف کرانے اور اس میں شمولیت کا بڑا زبردست کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

مغربی استعمار سے آزادی حاصل کرنے کے لیے ان نوجوانوں نے تمام ہی مسلم ممالک میں نمایاں حصہ لیا۔ اسلامی نظام کے قیام کا نعرہ ہی وہ موثر صدا تھی جس نے مختلف مذاہب فکر کو جمع کیا تھا اور ان سب کی

مشترکہ جدوجہد سے ان ممالک نے آزادی حاصل کی تھی۔ لیکن جب برسراقتدار طبقے نے ان مقاصد کو عملی جامہ پہنانے میں اپنے ذاتی مفاد کا نقصان سمجھا اور پھر بیرونی سامراجی طاقتوں کی مزاحمت کے آگے سپرانداز ہونے میں اپنی عافیت سمجھی' تو طلبہ اور نوجوانوں نے ان کے اس رویے کے خلاف احتجاج کیے اور مغربی اقدار کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اپنے لباس' رہن سہن اور طور طریقوں میں اسلامی اقدار کو اپنایا جس سے معاشرے میں خوش آیند تبدیلی رونما ہوئی۔

(و) **تحریک میں خواتین کا حصہ**: مغربی تہذیب کے اثرات سے عالم اسلام میں تحریک آزادیِ نسواں بڑی شدومد کے ساتھ پھیل گئی تھی۔ تحریک سے وابستہ خواتین نے مغربی اقدار کو مسترد کر کے حجاب کو رائج کیا اور اس بات کو ثابت کیا کہ اسلام عورتوں کو مساویانہ حقوق دیتا ہے۔ وہ حجاب میں رہتے ہوئے اسلامی فریم ورک میں خاندان' معاشرہ اور ملکی معاملات میں حصہ لے سکتی ہیں۔ چنانچہ ایک کثیر تعداد میں خواتین نے اعلیٰ تعلیمی اداروں اور معاشی تنظیموں میں شامل ہو کر "سیکولر نسوانیت" (secular feminism) کے مقابلے میں "اسلامی نسوانیت" کو فروغ دیا۔

ایران کے اسلامی انقلاب' جہاد فلسطین اور کشمیر نیز دیگر ہر طرح کی اسلامی جدوجہد میں وہ مردوں کے ساتھ برابر شریک کار رہی ہیں۔ آج ترکی کی سیکولر حکومت مسلم خواتین کے حجاب پر اصرار سے نبرد آزما ہے۔ وہاں سیکولر طبقہ یونی ورسٹیوں میں ان طالبات کو جو باحجاب ہیں' خارج کرنے پر تلا ہوا ہے۔ خود مغربی ممالک کے تعلیمی اداروں میں خصوصاً فرانس اور برطانیہ میں طالبات کے اسلامی لباس اور حجاب کی پابندی کی وجہ سے منتظمین ادارہ پریشان ہیں۔ ایک طرف تو مساوات اور شخصی اور مذہبی آزادی کے پرجوش نعرے ہیں اور دوسری طرف ان ہی اقدار کو پامال بھی کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح دفاتر اور کاروباری اداروں میں بھی خواتین باحجاب کام کرنے پر اصرار کر رہی ہیں جس سے پورے معاشرے میں اسلامی تہذیب سے آگاہی پھیل رہی ہے۔

(ز) **اسلامی لٹریچر کی اشاعت**: ایسا لٹریچر جو زندگی کے تمام مسائل کا اسلامی حل پیش کرے' تحریک کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ اسلامی علوم اس سے قبل صرف قرآن' حدیث' فقہ اور تاریخی مسائل کو زیر بحث لاتے تھے۔ معاشیات' سیاسیات' عمرانیات میں اسلامی علوم کا عمل دخل اور حصہ (contribution) جسے بین الاقوامی سند (recognition) حاصل ہو' مفقود تھا۔ آج سے ۲۰ برس قبل اسلامی معاشیات ایک نامانوس علمی شعبہ (discipline) تھا۔ یہ تحریک کے اہل علم اور دانش وروں کی مثالی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج اسلامی معاشیات یورپ اور امریکہ کی اعلیٰ درس گاہوں میں نصاب میں شامل ہے اور وہاں اس پر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں خاص طور سے بلاسودی بنک کے تجربات نہ صرف مسلم ممالک میں بلکہ خود مغرب میں غیرمسلم بنک کار کر رہے ہیں۔ اسی طرح سیاسیات میں اسلامی اصول سیاست بھی مغربی

یونی ورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہے۔

تحریک کا یہ ہمہ گیر لٹریچر ایک محتاط اندازے کے مطابق اب دنیا کی ۴۰ زبانوں میں موجود ہے۔ اس طرح بین الاقوامی سطح پر لوگ اسلام اور اس کی تعلیمات سے روشناس ہو رہے ہیں۔

۱۹۸۱ میں اسماعیل فاروقی مرحوم کی کوششوں سے تمام علوم کو اسلامی طرز فکر میں ڈھالنے کے لیے اہم کام کا آغاز عالمی ادارہ فکر اسلامی (International Institute of Islamic Thought - IIIT) کے قیام سے ہوا۔ اس طرح اسلامی فکر اور تحقیق کے نئے زاویے سامنے آئے اور مغربی اور سیکولر فکر پر قائم علوم کی جگہ اب اسلامی اور قرآنی فکر پر علوم کی تشکیل جدید کا کام ہوا ہے جس سے فکر و نظر کی نئی راہیں کھل رہی ہیں۔

(ج) اسلامی ادب کا فروغ: تحریک نے زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا۔ چنانچہ ادب' اور شعروشاعری میں اس کے اثرات نمایاں ہیں۔ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ وہ کسی نہ کسی عقیدے اور نظریۂ حیات سے وابستہ ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو اشتراکی تحریک سے متاثر تھے' انھوں نے اشتراکیت کے فروغ کے لیے ادب کو استعمال کیا۔ تحریک کے زیراثر ادب برائے ادب کے بجائے ادب برائے زندگی کا شعور پیدا ہوا۔ جدت پسندی اور ماورایت سے متاثر افراد نے ادب' آرٹ اور کلچر میں ان اقدار کا اظہار کیا۔ جو لوگ اسلامی تحریک سے متاثر ہوئے ان میں فکری روح' تحریک کی روح تھی۔ انھوں نے اسلام اور دین کی تعلیمات کو فروغ دینے کے لیے ادب کو استعمال کیا۔ قرآن کریم خود ادب عالیہ کا بہترین نمونہ ہے جس کے سامنے شعرا اور خطبائے جاہلیت گنگ ہو گئے تھے۔ اسلامی ادبا اور شاعروں نے حضرت حسان بن ثابتؓ کی اتباع میں تحریک کی ترویج اور دفاع ادبی محاذ پر کیا۔

اس سے پہلے تحریک کی تعریف قائدین تحریک کی تحریروں سے پیش کی جا چکی ہے۔ اب تحریک کی تعریف ادبی انداز میں ملاحظہ ہو:

"تحریک" نہ محض مذہب کا نام ہے' نہ مجرد سیاست کا! وہ نہ صرف ایک فلسفہ ہی فلسفہ ہوتی ہے' نہ فقط کش مکش ہی کش مکش! "تحریک" کا عنوان بڑا وسیع اور جامع ہے۔ وہ نظریات بھی دیتی ہے' اخلاقی قدریں بھی پیدا کرتی ہے' جذبات میں ہلچل بھی مچاتی ہے' اور سیاسی معرکے بھی بپا کرتی ہے۔ تمدن و معاشرہ کی تعمیر بھی کرتی ہے۔ افراد کی اصلاح بھی کرتی ہے اور ادارۂ حکومت میں بھی تغیر لاتی ہے۔ ہاں' وہ دلیل سے پکارتی بھی ہے اور قوت سے سنوارتی بھی ہے۔ وہ "لا" بھی کہتی ہے اور اس کی زبان پر "الا" بھی ہوتا ہے۔ وہ میٹھا میٹھا وعظ بھی کہتی ہے اور کڑوی سے کڑوی تنقید بھی کرتی ہے۔ وہ تسکین بھی عطا کرتی ہے اور اضطراب بھی پیدا کرتی ہے۔ وہ نصیحت بھی کرتی ہے' اور انتباہ بھی دیتی ہے۔ وہ کشش بھی رکھتی ہے' اور کش مکش بھی پیدا کرتی ہے۔ وہ رحم و شفقت کے چھینٹے

بھی دیتی ہے' اور نفرت اور غلاظت کی بجلیاں بھی برساتی ہے۔ وہ بشارت بھی ہوتی ہے' اور دھمکی بھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں قلم ہوتا ہے' تو دوسرے ہاتھ میں تیزہ۔ اس کے ساتھ حق کا بوریا بھی ہوتا ہے' اور شاہی کا تاج بھی! وہ شان جمالی کے ساتھ حی علی الفلاح بھی پکارتی ہے' اور شان جلالی کے ساتھ ھل من حبارز کا نعرہ بھی لگاتی ہے۔

اسلام کا بھی یہی حال ہے۔ وہ زندگی کے کسی ایک گوشے سے منطقی' لگا بندھا کوئی ایک ہی تقاضا نہیں رکھتا بلکہ فرد اور معاشرے کی زندگی کے تمام کے تمام پہلوؤں کے لیے متنوع تقاضے اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کی دنیا صرف نظریات ہی تک محدود نہیں۔ وہ واقعات میں مداخلت کرتا ہے۔ وہ بحر تمدن کے کنارے بیٹھ کر تبصرے نہیں کرتا بلکہ طوفانی موجوں میں کود کر ان پر حکمرانی بھی کرنا چاہتا ہے۔ وہ خیالات کے ساتھ ساتھ جذبات میں ہلچل مچاتا ہے' اخلاق کو سنوارتا ہے' اور پھر فرد کو اٹھا کر ماحول سے ٹکرا بھی دیتا ہے۔ وہ مسجد کے منبر سے لے کر تخت سلطنت تک ہر مقام سے اپنا پیغام سنانا چاہتا ہے۔ وہ جس کش مکش کو خیالات کی دنیا سے شروع کرتا ہے' دیر و سویر وہ عمل کے تمام دائروں میں منعکس ہو جاتی ہے ("تحریک اسلامی چہ معنی دارد" چراغ راہ' جنوری ۱۹۵۷)۔

تحریکات اسلامی کے مابین تعلقات

تحریک اسلامی ایک بین الاقوامی تحریک ہے لیکن وہ ہر ملک میں وہاں کے حالات کے مطابق دعوت اسلامی کا کام اور معاشرے میں اسلامی اقدار کا نفاذ' نیز سیاسی طور پر اسلامی نظام کے قیام کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔ اس طرح تحریک کسی مرکزی قیادت کے تحت کوئی جامع تنظیم نہیں ہے بلکہ ہر ملک کی تحریک اپنے اپنے مقام پر اپنی صوابدید اور مقامی حالات کے پیش نظر اپنی پالیسی تشکیل دیتی ہے اور رائے عامہ کو اسلام کے حق میں سازگار کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس اختلاف اور تفاوت کے باوجود ان کے قائدین میں فکری ہم آہنگی برقرار ہے اور وہ ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ کرتے ہیں۔

مولانا مودودیؒ کی کتابوں کے عربی اور دیگر زبانوں میں تراجم سے عالم عرب میں اخوان کے سربراہ اور کارکن جماعت اسلامی کی تحریک سے روشناس ہوئے۔ اس طرح حسن البنا شہیدؒ اور سید قطب شہیدؒ کی کتابوں کے اردو تراجم سے برعظیم کے تحریکی رفقا اخوانی رہنماؤں کے خیالات سے آگاہ ہوئے۔ مولانا مودودیؒ اور مولانا مسعود عالم ندویؒ کے عرب ممالک کے دوروں میں ان کی اخوان کے قائدین' طلبہ اور دیگر کارکنوں سے ملاقاتیں رہیں' اور اس طرح باہمی تعلقات استوار ہوئے اور ذاتی مراسم پیدا ہوئے۔

مصر میں اخوان پر دور ظلم گزرا تو اکثر اخوانی دیگر عرب ممالک خصوصاً سعودی عرب اور پاکستان میں پناہ گزین ہوئے۔ ان میں ایک اہم شخصیت سعید رمضانؒ کی تھی۔ انھوں نے اور ان کے رفقا نے پاکستان میں پناہ حاصل کی جس سے انھیں جماعت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا' نیز جماعت کے کارکنوں کو بھی

اخوان کے طریقہ کار سے آگاہی حاصل ہوئی۔

آپس کے ان روابط کو مضبوط کرنے کا ایک فطری موقع حج کے دوران باہمی ملاقاتوں اور نشستوں کے اہتمام سے حاصل ہوتا رہا ہے' اور اب بھی ہے۔ ان مواقع پر امت مسلمہ کے عام مسائل اور ہر ملک کے مخصوص حالات پر آپس میں تبادلۂ خیال اور صلاح و مشورہ ممکن ہو سکا ہے۔ اس طرح مختلف ممالک میں جو جہاد اور جدوجہد جاری ہے' اس سے قائدین تحریک کو براہ راست آگاہی حاصل ہوئی۔ یہ تمام کام غیر رسمی سطح پر ہی رہے ہیں تاکہ ان سے تحریک کی مخالفت کا کوئی جواز ان ممالک میں جہاں کی حکومتیں تحریک دشمن ہیں' نہ پیدا ہو سکے۔ (جاری)

چند تازہ مطبوعات

- **تحریک اسلامی** از خرم مراد صفحات: ۳۳۶' قیمت: ۸۰ روپے
- **خطبات رسولؐ** مرتبہ: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صفحات: ۱۱۴' قیمت: ۲۷ روپے
- **زندگی کیا ہے!** (افسانے) جیلانی بی اے صفحات: ۲۷۲' قیمت: ۱۰۰ روپے
- **زندگی کی ترجیحات** پروفیسر خورشید احمد صفحات: ۲۴' قیمت: ۵ روپے
- **خواتین کمیشن کی رپورٹ** از ثریا بتول علوی صفحات: ۶۴' قیمت: ۹ روپے
- **رہنمائی** از خرم مراد صفحات: ۲۱۲' قیمت: ۶۰ روپے

منشورات منصورہ' ملتان روڈ' لاہور - 54570 فون: 24-5419520 , 5425356 فیکس: 7832194

اسلامی نظامِ تعلیم کا علمبردار

ماہنامہ

افکارِ معلّم

لاہور

★ تعلیم کے تمام شعبوں اور پہلوؤں پر اہل علم کی قیمتی نگارشات

★ تحقیق کرنے والوں کے لیے مستند معلومات حوالہ جات کے ساتھ

★ ہر سال کے آخری شمارے میں سال بھر کے مضامین کا اشاریہ

موضوعات

★ نظام تعلیم ★ تعلیم و تربیت ★ اصول تعلیم ★ ذریعہ تعلیم ★ فلسفہ تعلیم
★ نصابیات ★ تدریس سائنس ★ تعلیمی ادارے ★ تعلیمی پالیسیاں ★ انتظامیات
★ مسائل اساتذہ ★ تربیت اساتذہ ★ تعلیم نسواں ★ تعلیمی مسائل ★ تاریخ
★ سیرت النبیؐ ★ اقبالیات ★ ابلاغیات ★ لسانیات ★ معاشیات ★ تبصرہ کتب
★ تعلیمی دنیا کی خبریں

ماہ رواں کا شمارہ شائع ہو چکا ہے جلد حاصل کریں

دفتر ماہنامہ افکار معلم ۳- بہاول شیر روڈ، مزنگ لاہور- (54000) فون 7312288 فیکس [illegible]

☆ فروری ۲۰۰۰ء سے ترجمان القرآن کے زر تعاون میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ اب قیمت فی شمارہ: ۲۰ روپے ہوگی اور سالانہ زر تعاون: ۲۰۰ روپے۔

☆ طلبہ و طالبات کے لیے خصوصی شرح ۱۵۰ روپے ہوگی (خریداری کے خواہش مند تعلیمی ادارے کے شناختی کارڈ کی مصدقہ نقل ساتھ ارسال کریں)

☆ بیرون ملک خریداری کی شرح میں ۵۰ روپے کا اضافہ کیا گیا ہے۔ (ادارہ)

چاہیے۔ نمایاں سیکولر ملک ترکی ہے جہاں کمال اتاترک نے ۱۹۲۳-۳۸ء کے عرصے میں ملک میں غیر معمولی تبدیلیاں کیں۔ تاہم مسلمانوں میں ایک اقلیت نے ہی اسے اختیار کیا ہے اور ترکی کے علاوہ اس کی چند ایک مثالیں ہی ہیں۔

تجدید پسندی (ریفارم ازم) درمیان کا غیرواضح رجحان ہے۔ اگر لادینیت مغرب سے سیکھنے کا عمل ہے تو تجدید پسندی مغرب کی نقالی ہے۔ تجدید پسند اس طرح سے سوچتے ہیں: "دیکھیے' اسلام اور مغربی طریقے بنیادی طور پر باہم موافق ہیں۔ ہم کامیابیوں کا راستہ کھو بیٹھے جس کو مغرب نے اختیار کر لیا۔ ہمیں مغرب کے طور طریقے اختیار کر لینا چاہییں' جو باسانی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ہمارے ہی طریقے ہیں"۔ اپنے نظریے کو درست ثابت کرنے کے لیے تجدید پسند کلام الٰہی اور مستند حوالوں و کتابوں تک پہنچ گئے۔ وہ مغربی تصورات، کی روشنی میں ان کا از سرنو مطالعہ کرتے ہیں۔ تجدید پسند عموماً اسی طرح کی تعبیریں کرتے ہیں۔ جب سائنس کا معاملہ آیا تو انھوں نے کہا: یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ سائنس تو اصل میں اسلام ہی ہے۔ لفظ "الجبرا" عربی لفظ ("الجبر" سے نکلا ہے۔ ریاضی کی بنیاد الجبرا ہے اور الجبرا سائنس کی بنیاد ہے۔ تمام جدید سائنس اور ٹکنالوجی ہم ہی سے اخذ کیے گئے ہیں۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ مغربی سائنس اور ٹکنالوجی کی مخالفت کی جائے۔ یہ تو محض اس چیز کو اپنی زندگی میں واپس جذب کرنا ہے جو کل مغرب نے ہم سے لی تھی۔ نتیجتاً تجدید پسندی مسلم دنیا میں وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی ہے۔

مسلم امت کی زبوں حالی کا تیسرا ردعمل اسلام پسندی (اسلام ازم) ہے جس پر میں زور دینا چاہوں گا۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق مسلمان پس ماندہ اس لیے ہیں کہ وہ اچھے مسلمان نہیں ہیں' اور عظمت رفتہ کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ شریعت کے مطابق مکمل طور پر زندگی گزاری جائے۔ اگر مسلمان شریعت پر عمل پیرا رہے ہوتے تو آج بھی دنیا کی امامت و قیادت اسی طرح کر رہے ہوتے جس طرح ہزار سال قبل کر رہے تھے۔ مگر یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت نے زندگی کے ہر پہلو سے متعلق وسیع پیمانے پر قوانین وضع کر رکھے ہیں جو جدید مسائل سے ہم آہنگ نہیں۔ شریعت اسلامیہ میں یہودیت سے مشابہت تو ہے لیکن عیسائیت سے کوئی مماثلت نہیں۔ مثال کے طور پر اس میں سود یا اس طرز کے منافع کو یکسر حرام سمجھا جاتا ہے' جب کہ سود کے معیشت پر گہرے اثرات اور ہمہ گیری سے انکار ممکن نہیں۔ اسی طرح عورتوں کے پردے کا مسئلہ ہے۔ اگر صاف گوئی سے کام لیا جائے تو یہ کہنا بجا ہے کہ جنسی امتیاز یعنی مرد و عورت کی تمیز اور ان کے دائرہ کار کی تفریق کے سماجی اور خاندانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اسلام پسند عمومی طور پر مغربی غلبہ' نفوذ اور اثر پذیری کو رد کرتے ہیں' تاہم ٹکنالوجی' عسکری مہارت اور طبی تحقیقات کے نفوذ کے مخالف نہیں ہیں۔ اسلام پسند چابک دستی سے مغرب کی نقالی کرتے ہیں مگر ساتھ ہی اس کا انکار کرتے ہیں کہ وہ ایسا کر رہے ہیں۔ ان کا موقف نہ مغرب کی تعلیمات پر مبنی ہے نہ اس